قسط (۶)

# ہندو تہذیب اور مسلمان

از جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

## سماجی تعلقات

عرصہ دراز تک ساتھ ساتھ رہنے کا اثر یہ ہوا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی ظاہری زندگی میں کوئی عملی فرق اور امتیاز باقی نہ رہا۔ اور ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کی سماجی زندگی میں برابر کے شریک ہو گئے۔ وہ ایک دوسرے کے تہواروں اور شادی بیاہ کی مجلسوں میں بڑی گرمجوشی اور خوش دلی سے شریک ہوتے تھے۔ ایک بات قابلِ غور ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں ہندوؤں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر غالباً کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی خاندان کے تمام افراد نے ایک ہی وقت میں اسلام قبول کیا ہو۔ ایسا بھی ہوا ہوگا کہ اگر ایک فرد نے اسلام قبول کر لیا تو اس وجہ سے اپنے خاندان کے بقیہ ہندو افراد سے اس کا تعلق قطع نہیں ہوتا تھا اور وہ ان کے ساتھ راہ و رسم ضرور رکھتا ہوگا اور خاندانی رسم و رواج کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرتا ہوگا۔ کیونکہ مسلمان ہونے کے معنی یہ تھے کہ وہ اللہ اور رسولؐ پر ایمان لے آئے۔ روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ کو ادا کرے۔ ایسا نہ تھا کہ اُسے اس بات پر بھی مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ اپنی پرانی رسومات کو بھی ترک کر دے اور اپنے خاندان کے دوسرے ارکان سے تعلقات منقطع کر لے۔
آجکل بھی ایسی مثالیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً کوئی مسلم لڑکی کسی ہندو سے یا کوئی ہندو لڑکی کسی مسلم سے شادی کر لیتی ہے تو دونوں کو آزادی ہوتی ہے کہ وہ اپنے مذاہب کی رسومات ادا کرتے ہیں۔ اور لڑکا اور لڑکی اپنے خاندان کے دوسرے افراد سے میل جول بھی رکھتے ہیں اور مذہبی اور سماجی رسومات اور مجلسوں میں شریک ہوتے رہتے ہیں۔

لکھنؤ میں آٹھوں کا میلہ ہوتا تھا۔ اس میلے میں مسلمان زن و مرد شریک ہوتے تھے۔ اہلیہ میر حسن دہلوی نے لکھا ہے۔

ایک دن تیسرے پہر لکھنؤ میں میلہ لگا ہوا تھا۔ اس میلے میں ملک کے ہر طبقہ کے اور قوم کے لوگ شریک تھے۔ حالانکہ یہ میلہ خاص طور پر ہندوؤں کا تھا۔[۱]

ایک بڑی تعداد میں دہلی کے مسلمان گڑھ مکتیشور کے میلے میں شرکت کرتے تھے۔ وہاں کے میدانوں میں گنگا کے کنارے خیمے کھڑے کرتے، اور عورت اور مرد کشتی رانی کا حظ اٹھاتے۔[۲] اس میلے کے دنوں میں آنند رام مخلص کے ہمراہ اکثر شرف الدین پیام جایا کرتے تھے۔[۳] دہلی میں کالکاجی کا میلہ ہوتا تھا اور اب بھی ہوتا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی شرکت کے بارے میں غلام علی نقوی نے لکھا ہے۔

"اگرچہ ایں مجمع، مجمع ہندواں است، لیکن مسلمانان نیز برائے تفریح طبع آنجا می روند"[۴]

مگر اب مسلمان اس میلے میں شریک نہیں ہوتے۔

دہلی میں کیلاش کے میلے میں مسلمانوں کی شرکت کا ذکر اکثر کتابوں میں ملتا ہے۔ شاہ عبدالرزاق بانوی جنم اشٹمی کے میلے میں شریک ہوا کرتے تھے۔[۶]

ان احوالوں سے بڑی آسانی سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام بڑی کثرت سے تفریح طبع کے لئے ہندوؤں کے میلے ٹھیلوں میں شرکت کرتے ہوں گے اور ان کے تہواروں کو مناتے تھے جس کا ذکر بعد میں تفصیلی کیا جائے گا۔

اسی طرح ہندو بھی مسلمانوں کے تہواروں میں شرکت کرتے تھے۔ اور اپنے مکانات پر ان کی رسومات بھی ادا کرتے تھے۔ مرزا راجہ رام ناتھ ذرہ کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ محرم منایا کرتا تھا۔

[۱] کلیات انشاء۔ کچھ نہیں معلوم پوچھو کو نسا میلا ہے آج ؛ جاتیاں ہیں جو کہاں کچھ ڈولیوں پر ڈولیاں ص ۵۳

[۲] وقائع آنند رام مخلص (قلمی) حصہ دوم - ۶۶ ب، ۱۴۴ الف۔ ب

[۳] ملاحظہ ہو برائے حالات، نکات الشعرا ص ۲۶، مخزن نکات ص ۲۲، تذکرہ ریختہ گویان ۲۶

[۴] سفر نامہ آنند رام مخلص ص ۱۲

[۵] عماد السعادت ص ۱۵

[۶] ملفوظ رزاقی ص ۷۷

عاشورہ کے دنوں میں وہ سبز لباس زیب تن کیا کرتا تھا۔ سبیل لگواتا تھا۔ غریبوں کو کھانا تقسیم کا اہتمام کرتا تھا۔ قلعہ معلیٰ (دہلی کا لال قلعہ) تک مہندی کا جلوس لے جایا کرتا تھا۔ محرم کے علاوہ مرزا امام تاتھ یازدہم کی مجلس بھی کرتا اور متعلقہ رسومات بھی ادا کرتا تھا۔[1]

لالہ بالمکند اپنے عقائد کے لحاظ سے قادری سلسلے میں مرید تھا۔ یازدہم کی مجلس بڑی دھوم دھام سے کیا کرتا تھا۔ مگر زندگی کے آخری زمانے میں اپنی غربت اور اقتصادی زبوں حالی کی وجہ سے ایک سال وہ اس مجلس کا اہتمام نہ کرسکا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کوتاہی کی وجہ سے وہ زار زار رویا کرتا تھا۔ اور اس کی زبان سے یہی نکلتا تھا کہ "اب میری زندگی کا پیمانہ لبریز ہوچکا ہے" فی الحقیقت ایسا ہی ہوا۔ اسی سال اس کا انتقال ہوگیا۔[2]

زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی ہندو مسلمانوں کے تعلقات بڑے خوشگوار تھے۔ دہلی پر آئے دن مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں، روہیلوں اور ابدالیوں کے ہاتھوں مصیبتیں آتی رہتی تھیں۔ دہلی کے باشندے اپنا سر چھپانے کے لئے دربدر اور شہر شہر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔ اس مفلسی اور پریشانی کے عالم میں مصحفی جب لکھنؤ پہنچے تو وہ کئی مہینوں تک لالہ کانجی مل کے ہاں مہمان رہے۔ اور میزبان نے ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔[3] راجہ جگل کشور نے کئی موقعوں پر میر کی اعانت کی تھی۔[4]

آنندرام مخلص کے کردار اور خصائل پر تبصرہ کرتے ہوئے مولوی امتیاز علی خاں عرشی صاحب نے لکھا ہے "اول تو پشتوں سے مسلمان امراء کی ملازمت، پھر اس پر حضرت بیدل کی

---

[1] معیار الشعراء ص ۸۶ الف۔ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ہندو محرم کے دنوں میں تعزیہ داری کرتے۔ لوگوں کو شربت پلاتے۔ سبز لباس پہنتے اور غربا و مساکین کو کھانا تقسیم کرتے تھے

George Forster: Travels in India II, p. 147
Ali Verdi And His Times p. 260
Thevenot and Carere: Indian Travels: p. 149
ہفت تماشا (اردو ترجمہ) ص ۱۵۵ نیز

[2] مجموعہ نغز۔ جلد اول۔ ص ۲۱۲ ۔ [3] تذکرہ ہندی۔ ص ۱۴۱۔ [4] میر کی آپ بیتی۔ ص ۱۱۵، ۱۲۹۔

صحبت[8]۔ ان کی درویشی کا رنگ اس پر ایسا چھایا کہ ہر تحریر میں جا بجا اس کی جھلک دیکھو[9]۔ حالانکہ مخلص اپنے مذہبی اصولوں کا پابند تھا۔ گنگا میں اشنان کرنے کے بعد اس نے گوشت کھانے سے احتراز کیا اور دوران سفر میں اس پر کاربند رہا[10]۔ مگر مذہبی رواداری، وسیع المشربی اور اپنے دوستوں کے لئے محبت اس کی طینت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی — جس احترام اور محبت کے ساتھ اپنے مسلم احباب کا ذکر کرتا ہے وہ اپنی آپ مثال ہے[11]۔ میر نجم الدین علی خاں کو "برادر عزیز القدر" کے لقب سے یاد کرتا ہے[12]۔ محمد جان دیوانہ[13] سے اس کے تیس سالہ تعلقات تھے اور وہ اس بات پر فخر کرتا تھا۔ محمد جان دیوانہ کی وفات پر مخلص نے خون کے آنسو بہائے تھے اور بار بار یہی کہتا تھا۔ "اب مجھے ایسا دوست زندگی میں دوبارہ کہاں سے مل سکے گا[14]"۔ خان آرزو مخلص کے استاد تھے۔ اور تیس سال تک ان میں بڑے خلوص اور عقیدت مندانہ تعلقات رہے۔ مخلص نے جو خطوط خان آرزو کو لکھے ہیں، ان سے مخلص کے خلوص اور محبت کا پتا چلتا ہے۔ ہمیشہ اسے خان آرزو کے خطوط کا انتظار رہا کرتا تھا۔ ایک خط میں وہ لکھتا ہے۔

"چہرہ دستیہائے فراق مخلص بہزار رنگ مشتاق کرخالی از درد و محبت نیست"[15]

فرقہ وارانہ زہر سے آلودہ ہندوستان میں آج بھی مخلص کے کردار اور خصائل کے ہندو اشخاص مل جاتے ہیں۔ صرف ایک ہی مثال کو کافی سمجھا جائے۔ علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ ہندی میں ڈاکٹر

---

[9] ابتدا میں مخلص، مرزا عبدالقادر بیدل سے مشق سخن کرتا تھا۔ بعد میں خان آرزو سے اصلاح سخن لیا کرتا تھا۔ نکات الشعرا۔ ص ۸، عقد ثریا ص ۳۵۔ [10] سفرنامہ آنند رام مخلص (دیباچہ) ص ۱۲

[11] سفرنامہ آنند رام مخلص۔ ص ۱۵۔ [12] ایضاً۔ ص ۱۴۔

[13] سفرنامہ مخلص۔ ص ۵۹۔ [14] برائے تفصیل ملاحظہ ہو۔ مراۃ الاصطلاح۔ ص ۱۰ الف تا ۱۲ ب

[15] انشائے مخلص (قلمی) ص ۲ الف۔ ملاحظہ ہوں۔ دیگر خطوط جن سے مخلص اور آرزو کے تعلقات پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ص ۲ ب تا ۷ ب بھگوان داس ہندی نے اپنے کئی مسلمان دوستوں کا ذکر کیا ہے۔ سفینۂ ہندی ص ۷، ۲۰، ۱۱۸، ۱۴۴، ۱۶۳، ۱۹۱۔

گووردھن ناتھ شکلا[1] کے کردار میں وسیع المشربی اور رواداری کے عناصر آنند رام مخلص سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔ ان کے کتب خانے میں گیتا کے ساتھ قرآن مجید کا ہندی ترجمہ رکھا ہوا ہے۔ وہ اکثر قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں ہندی تصوف کے ساتھ ساتھ ان کو اسلامی تصوف سے بھی بڑی دلچسپی ہے۔ صوفیاء کا بڑے احترام سے نام لیتے ہیں۔ اپنے مسلم طلبا اور ساتھیوں سے بڑی خندہ پیشانی اور فراخ دلی سے ملتے ہیں۔ گزشتہ بارہ سال سے میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہوں۔ مگر مجھے کبھی ایسا احساس نہیں ہوا کہ ان میں تعصب کا کوئی شائبہ بھی ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات کی مذمت کرتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اگر ہندی تصوف اور اسلامی تصوف کو یونیورسٹیوں اور کالجوں کے نصاب میں لازمی مضمون کے طور پر شامل کر دیا جائے تو مستقبل میں یہ ذہنیت رفتہ رفتہ ختم ہو جائے گی۔

مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کے ساتھ سلوک کرتے اور ان کے اوصاف حمیدہ کی دل کھول کر تعریف کرنے میں کبھی بخل، تنگ نظری اور مذہبی تعصب سے کام نہیں لیا۔ ان کی بے تعصبی اور وسیع المشربی کی اس سے اعلیٰ مثال نہیں مل سکتی کہ وہ ہندوؤں کی درازیٔ عمر کے لئے دعا کرتے

---

[1] آپ کے والد کا نام پنڈت یادو ناتھ شکل تھا۔ آپ گجراتی برہمن ہیں۔ ان کے مورث اعلیٰ اجین کے باشندے تھے وہاں سے نقل سکونت کر کے انوپ شہر ضلع بلند شہر آئے۔ آپ کے والد علم نجوم میں پوری دسترس رکھتے تھے۔ ان کا تعلق دولت راؤ سندھیہ کے دربار سے تھا۔ اور شاں کو ایک سو پچاس بیگھے زمین دربار سے ملی تھی۔ جو اب بھی ان کے خاندان کے قبضے میں ہے۔ شکل جی [illegible] میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم گوالیار میں ہوئی۔ [illegible] میں بی اے اور [illegible] میں ایم۔ اے پاس کیا۔ [illegible] میں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی میں وہ پہلے فرد تھے۔ جن کا شعبۂ ہندی میں تقرر ہوا تھا۔ اس زمانے سے آج تک وہ وہیں کام کرتے ہیں۔ اور اس ادارے میں کام کرنے میں انہیں بڑی خوشی ہے۔ اور اس بات کا فخر ہے کہ وہ مسلم یونیورسٹی میں کام کرتے ہیں۔ اپنے مسلم احباب کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

تھے۔ لالہ ٹیکارام تسلی[1] تخلص کے بارے میں مصحفی کا یہ بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

"جوانے است مہذب الاخلاق خصوصاً با اہل کمال ہر فن بہ تواضع و تعظیم پیش می آید۔۔۔۔۔ حالانکہ بفضل آلٰہی سن عمرش از بست و پنج متجاوز نخواہد بود۔ غرض کہ با ہمہ خوبیہا کہ دارد اخلاق ایشاں بر زبان کہ و مہ جاری است۔ چناں چہ فقیر ہم در آں جملہ مرہون احسان سلوک ایں بلند اقبال است۔ حق تعالیٰ ہمیشہ بر مسند ایالت ذات شریفش را شگفتہ و مطمئنہ در سایہ حفظ خود نگاہ دارد"[2]

راجہ جسونت سنگھ پروانہ کے بارے میں مصحفی نے لکھا ہے۔

"جوان خلیق و ذی شعور است"[3]

قائم چاند پوری نے لالہ خوش بخت رائے شاداب کی نسبت لکھا ہے۔

"بسیار مؤدب و مہذب است"[4]

سید فتح حسین گردیزی نے ٹیک چند بہار کے کمالات کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

"ہندو بایں کمالات کم بنظر در آمدہ"[5]

لالہ برج لال، مرزا مظہر جان جاناں کے قدیمی دوستوں میں سے تھے۔ افلاس اور عسرت کا مارا ہوا وہ آگرہ سے مرزا کے پاس دہلی آیا۔ لالہ کو ملازم رکھنے کی انہوں نے ایک مسلم امیر کو سفارشی خط لکھا اور خط کا اختتام ان الفاظ میں کیا۔

"ذکر کسے بایں اہتمام باشما نکردہ ایم و عادت بمبالغہ نداریم"[6]

علاوہ ازیں مرزا صاحب کے دوستوں اور معتقدوں میں رائے کیول رام اور ان کے لڑکے لالہ ہر پرشاد کے نام بھی قابل ذکر ہیں۔ ان دونوں سے مرزا صاحب کے گہرے روابط اور

---

[1] براے حالات ملاحظہ ہو۔ تذکرہ ہندی ص ۵۵-۵۶، [2] تذکرہ ہندی۔ ص ۵۶۔

[3] ایضاً ص ۱۴۱۔ [4] مخزن نکات۔ ص ۲۷۔ [5] تذکرہ ریختہ گویاں۔ ص ۲۱۔

[6] کلمات طیبات۔ ص ۶۴-۶۵۔

تعلقات کا اندازہ متعدد خطوط سے ہوتا ہے۔ مرزا صاحب کو ان کے خلوص اور مساعی پر کامل اعتماد ہے۔ رائے صاحب کو تو وہ "رائے مجسم"[1] کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ان سے اپنے خانگی معاملات میں بھی مشورہ لیتے ہیں اور انہی کے مشورہ پر عمل کرنا مناسب سمجھتے ہیں[2]۔ زندگی کے آخری دنوں میں مرزا صاحب رائے صاحب ہی کی حویلی میں رہنے لگے تھے[3]۔

**ملازمتیں** | جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ عہدِ مغلیہ میں ہندو مسلمان بادشاہوں اور امرا کی سرکار میں اور اسی طرح ہندو راجاؤں اور سامنتوں کے یہاں مسلمان نوکری کرتے تھے اور حوادثِ زمانہ میں جب گرفتار ہوتے اور عسرت اور تنگدستی کا شکار ہوتے تو بڑی خوشی سے ایک دوسرے کی مدد کرتے۔ چنانچہ خان آرزو، مخلص کے متوسل تھے اور بعد انہیں اس کی کوششوں سے انھیں دربار سے منصب اور جاگیر ملی تھی[4]۔ میر کو بارہا راجہ جگل کشور اور دیگر ہندوؤں سے مالی امداد ملی تھی۔ جب اشرف علی خان فغاں[5] پر تنگدستی اور افلاس کا پہاڑ ٹوٹا تو وہ عظیم آباد جاکر راجہ شتاب رائے کی خدمت میں حاضر ہوا۔ راجہ نے ازراہِ کرم اور دیرینہ دوستی کا خیال کرتے ہوئے اسے ایک معزز عہدے پر فائز کیا[6]۔ شاہ کمال الدین حسین کمال[7] صوفیانہ زندگی بسر کرتے تھے اور راجہ پلاس رائے کے دربار سے وابستہ تھے[8]۔ ایسی سیکڑوں مثالیں تاریخ کی کتابوں میں ملتی ہیں۔

---

[1] مکاتیب مرزا مظہر (مرتبہ عبدالرزاق قریشی) (بمبئی ۱۹۶۲ء) ص ۸۸ [2] ایضاً ۵۷ ص ۹۴۔

[3] ایضاً ۴۰ ص ۱۵۷ نیز دریائے لطافت (اردو ترجمہ) موصوف جامع مسجد کے متصل ایک بالاخانہ پر رہتے تھے جو ان کیلئے کیول رام بانیہ نے بنوایا تھا۔ ص ۲۷ [4] خزانۂ عامرہ ص ۱۱۸، معنی یاب خان کو اعتماد مخلص کی کوشش سے منصب اور خانی کا خطاب ملا تھا۔ سفینۂ ہندی ص ۱۱۸ [5] برائے حالات ملاحظہ ہو گلشن ہند ص ۱۴۸، نکات الشعرا ص ۴۷، مجموعۂ نغز۔ جلد دوم ۷۳، تذکرہ ہندی ۱۵۹-۱۶۰ [6] تذکرہ ہندی ۱۶۰

[7] مخلص شاہ کمال، شاہ کمال الدین حسین نام (و) مانک پور کے رہنے والے تھے، ان کے بزرگ بادشاہی منصبدار تھے۔ انہوں نے خود درویشی اختیار کرلی تھی۔ لکھنؤ میں توکل کی زندگی بسر کرتے تھے۔ قلندر بخش جرأت ان کے مشہور شاگردوں میں تھے۔ آخری زمانے میں پلاس رائے (دیکھئے مجموعۂ نغز جلد دوم ص ۲۲۹) کے متوسل تھے برائے تفصیل۔ مقدمہ کلیات شاہ کمال (قلمی) نیز مجموعۂ نغز، باقی ص ۵۲

جہاں تک ہندوؤں کا سوال ہے وہ بھی بڑی رغبت اور خوشی سے مسلمانوں کے یہاں ملازمت کرتے تھے۔ شعبۂ مالیات میں اکثر و بیشتر ہندو ہی ملازم تھے۔ علاوہ ازیں دیگر شعبوں میں بھی ان کا تقرر ہوتا تھا۱؎ اٹھارہویں صدی میں کئی ہندو اہم عہدوں پر فائز تھے مثلاً رتن چند قطب الملک عبد اللہ خاں کا دیوان تھا اور قطب الملک کو اس پر اتنا بھروسہ تھا کہ اس نے عنان حکومت اس کو سونپ رکھی تھی۲؎ آنند رام مخلص اعتماد الدولہ قمر الدین کا وکیل تھا۳؎ گلاب رائے امیر الامرا نجیب الدولہ۴؎ کا دیوان تھا۵؎ اُرم نے لکھا ہے کہ صوبہ بنگال کے تمام اہم اور غیر اہم عہدوں پر ہندو قابض تھے اور ملکی سیاست کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں پہنچ چکی تھی۔ بنگال کے حاکم ان کی امداد کے بغیر وہاں حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ بعض اوقات انہیں جگت سیٹھ جیسے مالدار ہندوؤں سے مالی امداد بھی لینی پڑتی تھی۶؎

شاہ عالم ثانی (متوفی ۱۸۰۶ء) کے عہد میں دربارِ مغلیہ کے تمام اہم عہدوں پر ہندو برسرِ اقتدار آئے تھے۷؎ اور شاہ عالم نے مادھو راؤ بہادر سندھیا عرف پٹیل کو "مختار السلطنت" کے جلیل القدر عہدے پر فائز کر دیا تھا اور اسے "فرزندِ ارجمند" کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ اس طرح

---

بقیہ صہ۔ جلد دوم ص ۲۴۲۔ تذکرہ ہندی ص ۱۹۰-۱۹۱

۱؎ ملاحظہ ہو۔ امرائے ہنود

۲؎ سیر المتاخرین (اردو ترجمہ) ج ۲ - ص ۲۳

۳؎ مخزن نکات۔ ص ۲۷۔

۴؎ برائے تفصیل Najib-ud-Daulah - by Prof Sh. A. Rashid

۵؎ تذکرہ شعرائے اردو - ص ۲۷

۶؎ History of Military Transactions etc. II, p. 53.

اسی طرح دربارِ اودھ میں بھی کافی ہندو ملازم تھے۔ اور وہاں کی سیاست میں ان کو بڑا دخل حاصل تھا۔ ۷؎ ملاحظہ ہو۔ وقائع عالم شاہی (فراقی)

اس نے سارے ہندوستان کی حکومت کی باگ دوڑ اس کے ہاتھ سونپ دی تھی[1]۔ ایک موقع پر شاہ عالم نے پٹیل سے کہا۔

"مابدولت را بحالات ہیچ کار نیست کہ بسبب خشکی سہ سالہ و ہنگامہ مفسدان محاصل خوب ندارد۔ ملک داند و شما مرا زر نقدی باید"[2]

اس مجبوری اور بے بسی کی حالت میں شاہ عالم نے پٹیل کو خطاب کرکے یہ شعر پڑھا تھا۔

ملک مال سب کھوئے کر، پڑے تمہارے بس

مادھو ایسی کیجیو آوے تم کو جس[3]

اس عہدے کو پاکر پٹیل کے ہاں بڑی خوشیاں منائی گئی تھیں۔ اور ایک مطرب نے یہ رباعی گائی تھی۔

ناقوس شوی بلند آوازہ شدہ

صد شکر کہ دیں ہندیاں تازہ شدہ

در باگ پٹیل عالم پرور

سرہائے ملیچھ تاج دروازہ شدہ[4]

باقی آئندہ


# عروج وزوال کا الٰہی نظام

مؤلفہ مولانا محمد تقی صاحب امینی

قوموں کے عروج وزوال پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے پہلی محققانہ اور بصیرت افروز کتاب۔ صفحات ۱۹۲ قیمت مجلد ۳/-

ملنے کا پتہ: ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶


---

[1] وقائع عالم شاہی، ص ۴۲،۴۳،۹ ۔ [2] ایضاً ص ۴۳۔

[3] ایضاً ص ۴۷ ۔ [4] ایضاً ص ۵۷ ۔